مطالعات و تعلیقات

از:- قاضی اطہر مبارکپوری

جود و سخا کی زندگی:- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رحمۃ اللہ علیہ نہایت بزرگ و صالح تھے، ساتھ ہی بڑے سخی تھے۔ ان کی جود و سخا کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ مال و دولت لٹانے میں بڑی مسرت محسوس کرتے تھے، آخر دور میں ان کی پہلی دولت باقی نہیں رہی، اور بڑی عسرت و تنگدستی میں بسر ہوتی تھی، کیوں کہ تمام دولت سخاوت کر کے خالی ہاتھ ہو گئے تھے۔ ان ہی دنوں کا تذکرہ ہے کہ انھوں نے ایک دن مسجد میں جاکر بڑے خشوع و خضوع سے یہ دعا کی۔

اللّٰھم انک قد عودتنی عادۃ تعودتھا عبادک، فان قطعتھا عنی فلا تبقنی، فمات فی تلک الجمعۃ [۱]

اے اللہ! تو نے مجھے ایک عادت دی، میں نے لوگوں کو عادی بنایا پس اگر تو نے وہ عادت مجھ سے منقطع کردی ہے تو مجھے اب دنیا میں باقی نہ رکھ، اس دعا کے بعد اسی جمعہ کے درمیان ان انتقال ہو گیا۔

یہ زمانہ عبدالملک بن مروان کی خلافت و حکومت کا تھا، اس وقت عبداللہ بن جعفر کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔ مسلمان کا دل بہت وسیع ہوتا ہے اور اللہ اسے دے تو وہ اپنی دولت لٹا کر دنیا کو آرام پہونچائے۔ مگر اس میں وہ میانہ روی اختیار کرتا ہے اور اپنی حیثیت کو دیکھ کر مخلوق کو اسی کے مطابق فیض پہونچاتا ہے، مگر بہت سے اہل ثروت سخاوت کے جذبہ اس قدر مغلوب ہوتے ہیں کہ وہ اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کر کے دنیا کو فائدہ پہونچاتے ہیں۔ ان میں عبداللہ بن جعفر بھی تھے۔

---

[۱] مروج الذہب ص ۱۷۶ ج ۳

انھوں نے اپنی تنگ دستی کے زمانہ میں جو دعا کی، وہ ایک نیک خو کی دعا تھی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اور جب دنیا میں رہے آن بان سے رہے۔ اور جب تنگ دستی آئی تو دنیا سے رخصت ہو گئے۔

دینی علوم کا مزاج :-

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر اہل علم کو خطاب کر کے فرمایا کہ

لا یزال الناس بخیر ما اتاھم العلم من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ومن اکابرھم فاذا جاء من قبل اصاغرھم فذلک حین ھلکوا[1]

لوگ اس وقت تک اچھے رہیں گے جب تک ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور بڑوں کا علم آتا رہے گا۔ اور جب ان کے اور جب ان کے چھوٹے لوگوں سے علم آئے گا تو اس وقت وہ تباہی میں پڑ جائیں گے۔

دین کا علم سراسر روایتی ہوتا ہے، اور سینہ بہ سینہ چلتا ہے، اور اس میں سلسلۂ نسبت کو بڑا دخل ہوتا ہے اس لئے اس کا حصول ارباب دین و دیانت سے ہونا چاہیئے ورنہ اس میں خوبی نہیں آئے گی، کیوں کہ دین کا علم صرف زبانی اور عقلی نہیں ہے کہ جس کے پاس اچھی زبان اور اونچی عقل ہو، وہ اس علم کو پڑھائے بلکہ جس میں دین و ایمان اور عمل و کردار ہوگا اور جس کی زندگی دینی ہوگی وہ دین کا علم پڑھانے کا مجاز ہے۔ اور اس سے جو علم دین پڑھا جائے گا اس میں خیر و برکت ہوگی چاہے اس کے پڑھانے کا انداز کتنا ہی سیدھا سادا ہو۔ اور وہ کیسے ہی روکھے پھیکے طریقہ پر تعلیم دے اس میں جان ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ دینی علوم کو ہمیشہ ارباب دین و دیانت ہی سے حاصل کیا گیا ہے، اور جو لوگ زیادہ سے زیادہ علم رکھنے کے باوجود عملیت عقیدہ میں، اور زندگی کے طور طریقہ میں کمزور ہیں ان سے علم دین حاصل کرنا مفید نہیں ہے اور نہ اس سے کوئی خوبی آ سکتی ہے :-

یہ جو ہر طرف بے کیف و کم واعظ و مولوی، بے بضاعت امام، بے رونق پیر، اور بے بہرہ لکھے پڑھے لوگ نظر آتے ہیں اور کسی کا کوئی اثر نہیں پڑتا اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے پڑھنے پڑھانے کا طریقہ سلف صالحین سے ہٹا ہوا ہے ان کے پاس زبان کا علم ہے۔ مگر دل کا علم نہیں ہے۔ اور جو علم دین سلف سے چلا آتا ہے وہ ان کے پاس نہیں ہے۔ ویسے دینی باتیں یہ لوگ بھی جانتے ہیں بلکہ بہت زیادہ جانتے ہیں مگر صرف زیادہ جاننا مفید نہیں ہوتا۔ عزازیل بہت کچھ جانتا تھا آخر اس کے یہ جاننا کس کام آیا۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس اسی طرح اگر کسی کے پاس دینی باتوں کا بہت زیادہ علم ہو اور ہر قسم کی کتابوں کی بہتات ہے خوب خوب ان کو کوئی پڑھے اور معلومات رکھے تو کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ دینی علوم کے پڑھنے پڑھانے کا فائدہ ہوتا ہے جب وہ نہیں ہوگا کچھ نہیں ہوگا۔ دیکھو کہ یورپ کے مستشرقین اسلامیات کے کیسے ماہر اور قابل ہوتے ہیں اور کیسی کیسی کتابیں لکھتے ہیں مگر ان کی زندگی کو دور سے بھی ان سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا بلکہ وہ معاملہ صرف لکھنے اور تقریر کرنے تک ہوتا ہے :-

جرم و سزا میں اسلامی نظریہ :-

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں، ایک شخص اپنے بھتیجے کو لیکر آیا جو کہ شراب میں مست تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اسے اتنی دیر روکا کہ اس کا نشہ اتر گیا۔ اس کے بعد درخت کی ایک شاخ منگائی اور اس کے پھل اور پتے توڑ کر جلاد کو بلایا اور اس سے کہا کہ تم اس کے چمڑے پر اس کوڑے سے یوں مارو کہ اپنا ہاتھ پوری حد تک اٹھاؤ۔ اور بغل کو ظاہر نہ ہونے دو یعنی پوری طاقت سے اوپر نہ کرو کہ بغل نظر آنے لگے بلکہ ہاتھ کو ہاتھ کی حد تک اٹھا کر مارو، چنانچہ جلاد کوڑا مارتا جاتا تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود گنتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اس نے اسّی دُرّے مارے، پھر اسے چھوڑ دیا۔

جب اسلامی قانون کا اجراء ہو گیا تو اس لڑکے کے چچا نے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن! (حضرت ابن مسعود کی کنیت ہے) یہ میرا بھتیجا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی میرا لڑکا نہیں ہے۔ یہ سنکر حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا۔

شر العم والی الیتیم انت کنت واللّٰہ ما احسنت ادبہ صغیرًا، ولا سترتہ کبیرًا،

تم جیسے یتیم کے مربی چچا کے لئے برائی۔ خدا کی قسم تم نے نہ بچپن میں اس کو اچھا ادب سکھلایا اور نہ ہی بڑے ہونے پر اس کی پردہ پوشی کی۔

اس کے بعد یہ واقعہ بیان کیا کہ اسلام میں سب سے پہلی حد جو جاری کی گئی وہ یوں جاری ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا جس کا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سماعت فرمایا اور گواہی گذرنے کے بعد اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ جب چور کو ہاتھ کاٹنے کے لئے لیجانے لگے تو وہ بڑی مایوسی کی نظر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہا تھا، بعض صحابہ کو اس پر ترس آیا اور انھوں نے آپ سے درگذر کرنے کی خواہش کی، آپ نے فرمایا کہ

افلا کان ھذا قبل ان تاتونی بہ فان الامام

یہ بات اس چور کے میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ ہوئی؟

---

[1] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۵۹

اذا انتھی الیہ حدٌ فلیس لاحدٍ ان یغلطہ ۱ے	جب حاکم کو حد جاری کرنے کی شہادت پہونچ جائے تو پھر کسی کو حق نہیں ہے کہ اسے غلط قرار دے۔

اسلام ایسا معاشرہ چاہتا ہے کہ جس میں اخلاق و انسانیت اور خدا پرستی و خدا ترسی کی تعلیم عملی طور سے جاری و ساری رہے، اور لوگ عقیدہ و یقین کی روشنی میں برائیوں سے بچیں۔ پھر اس کے باوجود اگر کہیں سے انسانی کمزوری کا ظہور ہو تو اسے چھپانے اور درگذر کرنے کی صورت اختیار کی جائے۔ اور اندر ہی اندر ڈانٹ ڈپٹ کر چھوڑ دیا جائے۔ لیکن جب اسلامی عدالت میں مقدمہ پہونچ جائے اور گواہی وغیرہ گذر کر سزا تجویز ہو جائے تو پھر کسی کی سفارش سے کام نہیں چل سکتا۔ اور نہ کسی چھوٹے بڑے کی وجہ سے قانون میں کوئی لچک پیدا کی جاسکتی ہے، البتہ شک کا فائدہ مجرم کو پہونچایا جائے گا، حضرت ابن مسعود نے پہلے واقعہ میں اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے واقعہ میں جو فرمایا ہے وہ یہی ہے کہ انسان ایسا ہو کہ جرائم کا صدور اس سے نہ ہو اور اگر کبھی ہو جائے اور معاملہ عدالت میں پہونچ جائے تو پھر قانون اپنا کام کرے گا اور کسی دوسرے کی بات نہیں چلے گی۔ ذرا اسلام کے اس اصول پر آج کل کے جمہوری اور غیر جمہوری قوانین کی مجبوری کو دیکھو جس میں ہر قانون لنگڑا لولا نظر آتا ہے۔

خلیفہ بھیک مانگ رہا ہے :-

خلیفہ قاہر باللہ بغداد کے خلفائے بنی عباس میں انیسواں حکمران ہے، اس کا نام ابو منصور محمد بن خلیفہ معتضد باللہ ہے، ۲۹ شوال ۳۲۰ھ کو اس کی خلافت کے لئے بیعت ہوئی اور ۶ جمادی الاول ۳۲۲ھ کو معزولی ہوئی، مورخوں نے اس کے حال میں لکھا ہے کہ وہ بڑا خونخوار، مال کا حریص اور بدسیاست حکمران تھا، اس کی معزولی بڑی ہی قابل رحم حالت میں ہوئی، رات کے وقت اسی کے محل میں اچانک قضاۃ و شہود داخل ہوئے تاکہ اس کی معزولی پر گواہ بنیں، قاہر باللہ نے اپنے ان قاضیوں اور گواہوں سے کہا کہ تمہاری گردنوں میں میری بیعت کا قلادہ ہے، تم لوگوں کو میں چھوڑ نہیں سکتا بلکہ میری اطاعت تم پر واجب ہے، یہ سنکر وہ لوگ وہ لوگ تو چلے گئے، مگر رات میں ترکی سپاہیوں نے خلیفہ قاہر باللہ کو پکڑا اور لوہے کی سلاخ آگ میں گرم کر کے اس کی دونوں آنکھوں میں پھیر دی، اس سے پہلے بھی خلفائے بنو عباسیہ کو فوجوں اور ترکوں نے معزول اور قتل کیا تھا۔ مگر خلیفہ کی آنکھ میں گرم سلائی پھیرنے کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ جو بعد میں یوں عام ہوا کہ بہت سے حکمرانوں کو اس طرح ستایا گیا۔ اس غریب کی کل مدت خلافت ڈیڑھ سال آٹھ دن ہے، قاہر باللہ معزول اور اندھا بنا دیے جانے کے بعد کئی کئی سال تک دار الخلافہ میں قیدی کی طرح پڑا رہا۔

۱ے مسند الامام ابی حنیفہ ص ۱۶۲ طبع حلب

یہاں تک کہ ۱ ربیع الآخر ۳۳۳ھ میں وہاں سے نکال کر ابن طاہر کے گھر پہونچا دیا گیا۔ جہاں اس نے بڑی عبرتناک حالت میں زندگی کے دن گذارے یہاں تک کہ خلیفہ مطیع کے دور خلافت میں شب جمعہ ۳ جمادی الاول ۳۳۹ھ کو باون سال کی عمر میں انتقال کیا۔ جس زمانہ میں وہ اپنے گھر میں نہایت عسرت کی زندگی کے دن پورے کر رہا تھا، ان ہی دنوں کا واقعہ ہے کہ :-

ثم خرج الی جامع المنصور فی یوم الجمعۃ فقام نعرّف الناس نفسہ وسألھم ان یتصدقوا علیہ، فقام الیہ ابن ابی موسیٰ الھاشمی فاعطاہ الف درھم، فردہ الی مرارہ ۱ے	قاہر باللہ نے جمعہ کے دن جامع منصور کا رخ کیا اور وہاں پر نمازیوں سے اپنا تعارف کرتے ہوئے ان سے صدقات و خیرات کا سوال کیا، اور ابن ابی موسیٰ ہاشمی نے اسے ایک ہزار درہم دیکر اس کے مکان پر واپس کر دیا۔

دنیا کا انقلاب تغیر کیسے کیسے رنگ دکھاتا ہے، قاہر باللہ خلافت عباسیہ کا حکمراں تھا۔ روئے زمین کی سب سے بڑی حکومت کا مالک تھا مگر دیکھتے دیکھتے کس دردناک طریقہ ان کی آنکھ نکال لی گئی، اور پھر نوبت یہاں تک پہونچی کہ اس نے بغداد میں جامع منصور کی سیڑھیوں پر آنے جانے والوں سے یہ بتا کر بھیک چاہی کہ سابق خلیفہ و حکمراں ہوں اب میں اس قابل ہوں کہ مجھے بھیک دی جائے تاکہ زندگی کے دن پورے کر سکوں۔

اس وحشت و بربریت پر ہمیں پرانے لوگوں پر ہنسنے یا طعن و تشنیع کرنے کا حق نہیں ہے، آج ترکی میں، عراق میں، مصر میں، جرمنی میں، اٹلی میں اور دوسرے مشرقی و مغربی ممالک میں انقلابی جو کچھ کرتے ہیں وہ پرانے زمانے سے کسی طرح کم نہیں ہے بلکہ اس سے بدرجہا زائد ہے۔ پھر تہذیب و انسانیت کا دعویٰ کیا جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ملوکیت کسی نام سے ہو اس کا مزاج نہیں بدلتا۔

ہر فرعونے را موسیٰ :-

خلیفہ مامون عباسی کے زمانہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں موسیٰ کلیم اللہ ہوں، جب مامون کو اس مدعی نبوت کی خبر ہوئی تو اس نے اسے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا تاکہ اسے سزا دے۔

مامون :- تم کون ہو؟

۱ے مآثر الانافہ ج ۱ ص ۲۸۲

آدمی :۔ میں موسیٰ کلیم اللہ ہوں،

مامون :۔ کیا تمہاری یہی لاٹھی سانپ بن گئی تھی؟

آدمی :۔ جی ہاں

مامون :۔ تم اسے زمین پر ڈال کر حکم دو کہ وہ سانپ بن جائے جیسا کہ حضرت موسیٰ نے اپنی لاٹھی کو سانپ بنا دیا تھا۔

آدمی :۔ تم پہلے انا ربکم الاعلیٰ (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) کہو جیسا کہ فرعون نے کہا تھا تو اسکے بعد میں اپنی لاٹھی کو سانپ بناؤں۔

ہمارے خیال میں یہ شخص درحقیقت مدعی نبوت نہیں تھا بلکہ اس نے اپنی حاضر جوابی اور خلیفہ کے دربار میں تفریحی بات کرنے کے لئے یہ رویہ اختیار کیا تھا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے سچ مچ نبوت اور کلیمی کا دعویٰ کیا ہو، کیوں کہ دنیا میں ہر زمانہ میں ایک سے اعلیٰ ایک احمق رہے ہیں، آخر ہمارے زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کر کے کتنے لوگوں کو گمراہ کر ہی دیا، جن جاہل عوام سے لیکر لکھے پڑھے سمجھدار لوگ تک موجود ہیں۔ اوپر کے قصہ میں دیکھنے کی بات یہ ہے ایک مسخرے نے کیسی اچھی بات کہی ہے اور بھرے مجمع میں بتایا ہے کہ

"ہر فرعونے را موسیٰ"

دو علمی باتیں :۔

ابو الطیب غنوی نے اپنی "مراتب النحویین" میں لکھا ہے کہ امام لغت ابوزید کی عمر سو سال کے قریب ہو گئی تھی اور ان کا حافظہ خراب ہو گیا مگر عقل میں فتور نہیں آیا تھا، ریاشی کا بیان ہے کہ ان ہی ایام میں ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میرے ہاتھ میں ابوزید کی لکھی ہوئی کتاب الشجر اور کتاب الکلا تھی، جس میں درختوں اور گھاسوں کا ذکر تھا، اور میں ان کی خدمت میں پہونچ گیا تو عرض کیا کہ میں آپ کی لکھی ہوئی یہ کتاب آپ سے پڑھنا چاہتا ہوں۔ ابوزید نے کہا:۔

لا تقرأه علی فانی انسیته[1] — تم مجھ سے یہ کتاب نہ پڑھو، کیونکہ اب میں اسے بھول چکا ہوں۔

بڑھاپا بھی عجیب چیز ہے، آدمی سب کچھ جاننے کے بعد انجان ہو جاتا ہے، اور جسم کے ہر عضو کی طرح ہر قوت میں فتور آجاتا ہے چنانچہ علم و شعور میں بھی کمی آجاتی ہے،

بچپن میں ایک مرتبہ مولانا حفیظ اللہ صاحب بندوی ضلع اعظم گڑھ کے یہاں جانے کا اتفاق ہوا، مولانا اس زمانہ میں

[1] المزہر ج ۲ ص ۲۳۵

بڑھاپے کی آخری حد میں تھے، اس سے پہلے رام پور میں بڑے رعب و داب کے مدرس تھے۔ فلکیات کی مشہور کتاب التصریح کا حاشیہ بڑا شاندار لکھا تھا، اور کہنا چاہیئے کہ فلکیات کے امام تھے مگر جب ہمارے مولانا محمد یحییٰ نے جو خود بھی ہیئت اور فلکیات کے اقلیدس کے ماہر ہیں، مولانا حفیظ اللہ صاحب سے علم الافلاک کا ایک سوال کیا تو مولانا نے برجستہ فرمایا کہ اب میں سب کچھ بھول چکا ہوں، میرے حاشیہ میں دیکھ لو کہ کیا لکھا ہے، اہل علم جب اس مقام و منزل پر آجاتے ہیں تو تبرک بن کر رہ جاتے ہیں اور لوگ بھی انکا احترام اسی خیال سے کرتے ہیں اور کرنا بھی چاہیئے، ایسے وقت میں ان سے مسئلہ وغیرہ نہیں معلوم کرنا چاہیئے، ہاں اگر ہوش و حواس باقی ہوں تو حرج نہیں۔

امام نحو ابو عمرو کا قول ہے کہ

لو امکنت الناس من نفسی ما ترکوالی — اگر میں لوگوں کو اپنے بارے میں آزاد چھوڑ دوں

طوبۃ، ای اٰجرۃ[1] — تو وہ میری ایک اینٹ بھی نہ چھوڑیں۔

ایک زمانہ میں اہل علم سے استفادہ کا یہ حال تھا کہ لوگ ان کو اس طرح گھیرے رہتے تھے کہ ان کو سانس لینے کی فرصت نہیں ملتی تھی، اور وہ جان چھڑاتے تھے۔ یہ ماضی کی علمی و دینی زندگی کی بڑی شاندار حقیقت ہے۔ اور اسلام کی روشن تاریخ کے صفحات پر جلی حرفوں میں ثبت ہے، مگر اب یہ بات نہیں رہی، اب تو لوگ اہل علم سے اس طرح دور ہیں کہ وہ اس بات کیلئے ترستے ہیں کہ کوئی علمی ذہن و مزاج کا آدمی ملتا تو کچھ دیر تک اپنی بات کرتے اور دل بہلاتے۔ اس بھری دنیا میں آج عوام میں ایسے بہت کم ہیں جو ارباب علم و فن سے تعلق رکھیں۔ آپ اپنے اسی شہر کو دیکھ لیں کہ یہاں کے لوگوں میں علمی مزاج کہاں تک ہے اور ان میں صحیح علم کی تڑپ کتنی ہے۔

چار چیزوں سے خدا کی پناہ :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعائیں فرمائی ہیں ان میں ایک جامع ترین دعا یہ بھی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ، وَدُعَاءٍ لَا یُسْمَعُ، وَقَلْبٍ لَا یَخْشَعُ، وَنَفْسٍ لَا تَشْبَعُ. اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعِ، (ترجمہ) "اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اس علم سے جو نفع نہ دے، اور اس دعا سے جو سنی نہ جائے، اور اس قلب سے جو تیرا خوف نہ کرے۔ اور اس روح سے جو، آسودہ نہ ہو، اے اللہ! میں ان چاروں چیزوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

[1] المزہر ج ۲ ص ۱۲۷

اس دُعا کے ایک ایک لفظ پر غور کرو اور اس کا مطلب سمجھو تو معلوم ہوگا ان چند لفظوں میں انسانیت کی فلاح ونجاح اور سکون وراحت کا کس قدر سامان موجود ہے اور یہ کہ اس دنیا میں اگر انسان کو چین حاصل ہو تو سب کچھ حاصل ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں جن باتوں کو خاص طور سے انسانیت کے لئے شدید ترین مضر قرار دے کر اُن سے خدا کی پناہ مانگی ہے وہ یہ ہیں :۔

(۱) بے فیض علم جس سے نہ اپنا فائدہ ہو نہ دوسرے کا، چاہے وہ علم کتنا ہی اونچا اور اہم کیوں نہ ہو۔ اگر اس سے فائدہ نہیں ہے تو اس سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ کیوں کہ وہ بڑی مصیبت بن جاتا ہے اور یہی نہیں کہ اس سے فائدہ نہیں ہوتا بلکہ بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ سے بندوں سے کا علاقہ ہے اور وہ اپنے بندوں کی دعا کو سنتا ہے اور قبول فرماتا ہے مگر بعض مرتبہ دعا مقبول نہیں ہوتی اور جناب باری تعالیٰ میں اسکی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی کیوں کہ دعا کرنے والے میں کوئی اہم خامی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی دعاؤں سے محفوظ رکھے جن میں سوٹے موٹے الفاظ ہوتے ہیں، قافیہ اور سجع ہوتا ہے. لَون اور لب ولہجہ ہوتا ہے مگر اخلاص وللّٰہیت نہیں ہوتی۔ اور نہ اس میں تڑپ ہوتی ہے۔ اس لئے وہ بے کار جاتی ہے۔

(۳) انسان کا دل ہی سب کچھ ہے اگر وہ اچھا ہے تو انسان اچھا ہے اور اگر وہ خراب رہے تو انسان خراب ہو اس لئے دل کے بارے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اور اسے شیطانی حرکتوں سے بچا کر اس میں خشیت الٰہی کا نور بھرنا چاہیئے

(۴) حرص وہوا انسان کے لئے زہر قاتل ہے اور اسکی وجہ سے انسان بڑی محرومی اور ناکامی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کبھی اس کی نیت نہیں بھرتی ہے۔ اس لئے اس جان سے بھی بچنے کی دعا کی گئی ہے جو ہمیشہ حرص اور لالچ میں مبتلا ہوکر کبھی اطمینان وآرام نہیں پاتی ہے اور انسان زندگی بھر پریشانی میں رہتا ہے۔

ان چار انسانی خرابیوں سے سخت حذر کرنے اور ڈرانے کی ضرورت ہے، حتیٰ کہ ان سب سے بچتے رہنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے، اگر انسان ان چار چیزوں سے بچنے کی کوشش کریں تو دنیا کے آدھی سے زیادہ سماجی، اقتصادی، معاشی، اور نفسیاتی جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں۔